ڈاکٹر اسماعیل موسیٰ
چیئر مین شعبہ مطالعہ پاکستان،
وفاقی جامعہ اردو۔ کراچی
-
ڈاکٹر محمد حسن امام
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامی،
وفاقی جامعہ اردو۔ کراچی

کلام فرید میں تصوّف کا رنگ-ایک تحقیقی جائزہ

MYSTISISM IN THE POETRY OF BABA FAREED, ARESEARCH ANAYLISIS

Abstract

In Indian subcontinent , the role of Silsila e Chishtiya (Chishti lineage) for spreading awareness of Islam is bright chapter of history. The founder oflineage is Hazrat Khwaja Moinuddin Chishti Ajmeri Aliehi Rehma. Hazrat Baba Fareed Masood Ganj e Shakar Aliehi Rehma , one of the saints of this lineage, made Ajudhan (now Pakpattan) as his living place. With his education , knowledge , actions , extreme prayers (Mujahiday) and especially his role in well-being of mankind resulted in having great place in history which deserves ultimate appreciation. His personality has various dimensions. To communicate the message from Almighty ALLAH , he also used poetry as his mode of , communication. unfortunately , all of his poetry could not be preserved , however , available poetries are very important for people engaged in fields of Education and Sufism. it's our misfortune that educationalist did not give the deserving importance to his Sufi poetry may be because its Sufi poetry and Sufism has its own point of view. Elaborating the delicate concepts of Wehdatul Wajood and

Wehdatul Shahood along with the world and life after world is not less tha accomplishing the impossible.

In article under review , we are endeavoring to analyze the colors of Sufism in poetry of Hazrat Baba Fareed Masood Ganj e Shakar Aliehi Rehma and we will try to understand the effect it cast on Indian subcontinent.

تلخیص

برِّصغیر پاک وہند میں اسلام کی شمع روشن کرنے میں سلسلہ چشتیہ نے جو کردار ادا کیا وہ تاریخ کا روشن باب ہے سلسلے کے بانی حضرت خواجہ معین الدّین چشتیؒ ہیں اسی سلسلے کے ایک بزرگ حضرت بابا فرید الدّین گنج شکرؒ نے اجودھن (پاک پتن) کو اپنا مسکن بنایا اور اپنے علم، عمل، مجاہدے، بالخصوص عوام النّاس کی خدمت کی بدولت تاریخ میں جو اہم مقام حاصل کیا وہ لائق تحسین ہے ان کی شخصیت کے کئی پہلو تھے انہوں نے عوام النّاس کو دینِ الٰہی کا پیغام پہنچانے کے لیے اشعار کا بھی سہارا لیا۔ بد قسمتی سے ان کا مکمل کلام محفوظ نہ کیا جا سکا لیکن جو کلام موجود ہے وہ اہلِ علم اور اہلِ تصوّف کے لیے نہایت اہم ہے یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ اہلِ علم نے اس جانب کوئی خاص توجّہ نہ دی اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ صوفی کا کلام ہے اور صوفی کا اپنا ایک نقطۂ نظر ہوتا ہے۔ وحدت الوجود اور وحدت الشّہود جیسے نازک موضوعات کے ساتھ ساتھ دنیا اور آخرت سے متعلق ان کے خیالات کی تشریح و تحقیق کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔

زیرِ نظر تحقیقی مقالے میں بابا فرید الدّین گنج شکرؒ کی شاعری میں تصوّف کے جو رنگ بکھرے ہوئے ہیں ان کا جائزہ لینے کی سعی کی جا رہی ہے اور یہ جاننے کی کوشش کی جائے گی کہ بالخصوص برِّصغیر پاک وہند میں ان کی شاعری کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔

پسِ منظر:

جنوبی ایشیاء کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس خطّے میں دین کی ترویج میں علماء و مشائخ نے اہم کردار ادا کیا انہوں نے اپنی زندگیاں ترویجِ دین کے لیے وقف کر دیں۔ ہندو معاشرہ جو طبقاتی نظام میں بٹا ہوا تھا وہاں صوفیائے کرام نے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تعلیمات عام کیں اور اپنے قول و فعل سے ان تعلیمات پر عمل کر کے دکھایا تو لوگ جوق در جوق اسلام کی طرف راغب ہوئے مختلف سلاسل کے اکابرین اس خطّے میں تشریف لائے بالخصوص سلسلہ چشتیہ کے اکابرین نے ترویجِ اسلام کے لیے اس خطّے میں اہم کردار ادا کیا۔ جنوبی ایشیاء میں سلسلہ چشتیہ کی ترویج میں حضرت خواجہ معین الدّین چشتیؒ نے اہم کردار

کیا آپ کو ''غریب نواز'' اور'' سلطان الہند'' کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے یہاں تصوّف کے اس سلسلے کا آغاز آپ ہی سے ہوا جو کہ ''چشتیہ'' کہلاتا ہے۔اس سلسلہ میں راگ اور سماع کو خاص اہمیت حاصل ہے اس سلسلے کے دوسرے بزرگوں میں خواجہ بختیار کاکی اوشیؒ، بابا فرید مسعود گنج شکرؒ، حضرت خواجہ نظام الدّینؒ اور محبوبِ الٰہیؒ وغیرہ اہم ہیں۔ا۔

بابا فرید الدّین گنج شکرؒ کے والد ماجد جمال الدّین سلیمان سلطان شہاب الدّین غوری کے زمانے میں ترک وطن کر کے ہندوستان آئے پہلے لاہور قیام کیا اور پھر قصور چلے گئے بعد ازاں ملتان میں رہنے لگے یہیں آپ نے ملّا وجیہہ الدّین کی صاحبزادی سے شادی کی شادی کے بعد آپ کھتوال (چاوے مشائخ) میں مقیم ہو گئے۔آپ کا سلسلہ نسب فرّخ شاہ بادشاہ کابل اور سلطان ابراہیم ادھم کے واسطے سے عمر فاروقؓ سے جاملتا ہے۔۲۔

بابا فرید الدّین گنج شکرؒ کی سن ولادت سے متعلق تذکرہ نویسوں میں اختلاف پایا جاتا ہے آپ کی ولادت سے متعلق ۵۹۵ ہجری، ۵۸۲ ہجری، ۵۷۱ ہجری، ۵۷۵ ہجری، ۵۶۹ ہجری، ۵۴۸ ہجری سن بیان کیے گئے ہیں، لیکن قرین قیاس بابا صاحب کا سن ولادت ۵۷۱ ہجری یا ۵۶۹ ہے کیونکہ فوائد الفوائد میں بابا صاحب کے محبوب خلیفہ حضرت نظام الدّین اولیاء نے آپ کی عمر مبارک ۹۳ سال بیان کی ہے۔۳۔

آپ کا نام مسعود رکھا گیا اسی طرح گنج شکرؒ کا خطاب آپ کو اپنے مرشد سے ملا۔دوسری روایت یہ ہے کہ یہ خطاب آپ کو عالم غیب سے عطا ہوا۔۴۔

آپ کے والد کا وصال آپ کے بچپن میں ہی ہو گیا تھا اسی لیے آپ کی تعلیم و تربیت کا انتظام آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی فرسم خاتون پر عائد ہو گئی جو انہوں نے تحسین و خوبی انجام دی۔آپ نے چھوٹی عمر میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا اس کے بعد فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔کھتوال میں ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ ملتان چلے گئے تاکہ وہاں مزید تعلیم حاصل کر سکیں۔ملتان میں آپ نے مسجد شہاب الدّین میں قیام کیا اور وہیں سے اپنی تعلیم مکمل کی۔۵۔

جب آپ کی عمر ۱۸ سال تھی تو ایک روز آپ کی ملاقات بابا بختیار کاکی اوشیؒ سے ہو گئی۔حضرت قطب الدّین بختیار کاکیؒ حضرت بہاؤالدّین ملتانی کی دعوت پر ملتان تشریف لائے تھے۔آپ جس مسجد میں اپنی تعلیم مکمل کر رہے تھے وہاں بختیار کاکیؒ تشریف لائے آپ ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔حضرت بابا کاکیؒ نے پوچھا کہ کونسی کتاب پڑھ رہے ہو بابا صاحب نے عرض کیا نافع کا مطالعہ کر رہا ہوں (نافع فقہ کی بہترین کتاب ہے)۔خواجہ صاحب نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا انشاء اللہ یہ کتاب تمہیں نفع دے گی۔بابا صاحب نے عرض کیا ''میرا نفع تو حضرت کی نگاہ کیمیاء اثر میں پوشیدہ ہے''۔

اس طرح باباصاحب خواجہ صاحب کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے۔ خواجہ صاحب دہلی واپس جانے لگے تو باباصاحب کی خواہش تھی کہ وہ بھی ان کے ساتھ جائیں لیکن خواجہ صاحب نے ارشاد فرمایا:

''اب تم جاؤ اور کچھ دن تک علم ظاہری حاصل کرو اللہ تعالیٰ کے بندوں سے ملاقات کرو کہ کون کس مقام پر کیا کر رہا ہے پھر دہلی آنا آپ کا انتظار کروں گا۔ باباصاحب غمناک آنکھوں سے واپس ہوئے۔ خواجہ صاحب نے زبانی طور پر بیعت کا وعدہ کر لیا تھا اور باقاعدہ رسمِ بیعت کئی سال بعد دہلی میں ادا کی گئی۔ ۶۔

باباصاحب نے خواجہ صاحب کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنی ظاہری و باطنی تعلیم کے مراحل طے کیے اور سفرِ بغداد پر روانہ ہوئے جہاں کئی علماء و مشائخ سے ملاقاتیں ہوئیں اور کچھ عرصے بعد دہلی مرشد کریم کے پاس پہنچ گئے جہاں مرشد کریم سے باقاعدہ بیعت کی۔ بیعت کے بعد آپ نے کئی مجاہدے اور مراقبے کیے اور فنافی الشیخ کی منزل طے کرتے ہوئے فنافی الرسول اور فنافی اللہ کے مرتبے پر پہنچے۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے آپ کو خلافت کی سند عطا کی۔ مرشد کے انتقال کے بعد خواجہ صاحب کی وصیت کے مطابق آپ کو خرقہ اور نعلین چوبیں عطا کی گئی اور آپ خواجہ صاحب کے خلیفہ اور جانشین مقرر ہوئے۔ دہلی کا پر ہجوم ماحول آپ کو راس نہ آیا چنانچہ آپ نے اجودھن جو پاک پتن کے نام سے مشہور ہوا وہیں سلسلہ چشت کی آبیاری کی۔ آپ تقریباً 70 سال کی عمر میں یہاں تشریف لائے اور کم و بیش 24 سال یہاں قیام فرمایا اور سلسلہ چشت کی وہ شمع جو خواجہ غریب نواز نے روشن کی تھی جسے حضرت بختیار کاکیؒ نے روشن رکھا۔ اس شمع کی روشنی کو آپ نے ہر سو پھیلایا جو آپکا ایک اہم کارنامہ ہے۔ آج بھی آپ کا مزار مبارک پاک پتن میں مراجع عام ہے۔ ۷۔

کلامِ فرید میں رنگِ تصوّف

حضرت بابافرید گنج شکرؒ علم و فضل میں بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ دینیات، اصول، حدیث، تصوّف و روحانیت کی دقیق و مشکل کتابیں آپ اکثر پڑھایا کرتے تھے اور تصوّف کے رموز و نکات کو اس خوبی سے سلجھا کر بیان کرتے تھے کہ سُننے والوں پر کیفیت سی طاری ہو جاتی تھی اور ان کی روحیں عالم ملکوت کی سیر کے لیے تڑپ اٹھتی تھیں۔ ۸۔

بابافرید گنج شکرؒ کی شخصیت کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ صاحبِ تصنیف بزرگ تھے۔ فارسی زبان میں ان کی تین کتب موجود ہیں۔ جو یہ ہیں۔ (۱) راحت القلوب (۲) اسرار الاولیاء (۳) فوائد

السالکین۔

لیکن انہوں نے شاعری پنجابی زبان میں کی۔ باباصاحب کے کلام کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ پہلے پنجابی شاعر ہیں۔ پنجابی زبان میں شاعری کا آغاز ان کے ان چھوٹے چھوٹے بولوں سے ہوتا ہے جنہیں ''اشلوک'' کہا جاتا ہے۔ ان کے کچھ بول قرآنِ پاک کی آیات کی عملی تفسیر ہیں اور کچھ احادیث کے تراجم ہیں۔ ان میں قرآن پاک کی سچّی تعلیم اور اخلاقی اقدار کی تلقین کے علاوہ دنیا کی بے ثباتی، ہجر و فراق اور عشق و معرفت کی باتیں موجود ہیں۔۹؎

پنجابی میں ان کے صرف یہ اشلوک ملتے ہیں اور وہ بھی سِکھوں کی مذہبی کتاب ''گرو گرنتھ صاحب'' میں شامل ہونے کی وجہ سے ضائع ہونے سے بچ گئے۔ انہوں نے پنجابی میں نہ معلوم اور کتنے اشعار کہے ہوں گے مگر آج ان کی ساری شہرت اور سارا مقام اپنی اشکولوں کے حوالے سے ہے۔۱۰؎

بابا فریدؒ نے پنجابی شاعری کو نہایت ترقّی پذیر رجحانات سے روشناس کرایا۔ بابا صاحب کو یہ اوّلیت حاصل ہے کہ آپ نے پنجابی زبان کے دامن کو خدا اور انسان جیسے اہم موضوعات سے متعارف کرایا ۔ بابافریدؒ نے معاشرتی سطح پر جماعت خانے جیسے ادارے بنا کر کردار سازی اور انسان سازی کے جو بنیادی کام کئے وہ اتنے عظیم ہیں کہ ہمیں کسی مافوق الفطرت کو دیکھنے اور پرکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہی کام ان کے عظیم کردار کی زندہ و پائندہ کرامت تھی۔ اس کے ساتھ ان کا خلوص بھی شامل تھا اور ان کی روایات عہد بہ عہد آگے بڑھتی رہیں۔۱۱؎

باباصاحب چونکہ ایک صوفی تھے اس لیے ان کی شاعری میں صوفیانہ رنگ جابجا ملتا ہے۔ صوفی اس وقت تک ولایت کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اپنے نفس کو فنا نہ کردے فنا ہو جانے کی وجہ سے ہر رغبت حرص زائل ہو جاتی ہے جب شخصیت کو فنا کر دیا جائے تو وجودِ حق بندہ کے وجود پر غالب آجاتی ہے اور انسان کے تمام ارادے اور اختیارات سلب ہو جاتے ہیں۔ انا پرستی زائل ہو جاتی ہے اور انسان کا ہر فعل خدا کا فعل بن جاتا ہے وہ مرنے سے پہلے مر جاتا ہے ظاہری موت وحیات اس کے یکساں ہوتی ہے کیونکہ اس کا نفس مر چکا ہوتا ہے اس کا ہر قول و عمل رضائے خداوند کے لیے ہو جاتا ہے اور اسطرح یہ فنا بھی اسے حیات دوام بخش دیتی ہے۔ خواجہ میر درد نے کیا خوب کہا

موت کیا آکے فقیروں نے تجھے لینا ہے
مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں

خواجہ آتش اسی مضمون کو آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں

موئے جو پیشتر مرنے سے وہ لوگ

کفن سمجھے قبائے زندگانی

یعنی موت آتی ہے تو ناکام جاتی ہے اس لیے کو جس کو لینے وہ آتی ہے وہ تو پہلے ہی دوسرے کا ہو چکا ہوتا ہے۔ ۱۲؎

بابا فرید الدّین گنج شکرؒ کے کلام میں دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی فکر جیسے مضامین جا بجا ملتے ہیں جسمیں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے لو لگانے کو دنیا کا مقصد قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا تیرا ٹھکانہ نہیں ہے بلکہ اس دنیا کے بعد قبر تیرا ٹھکانہ ہے اسی قبر میں تجھے جانا ہے اسے نہ بھول بلکہ ہمیشہ اسے یاد رکھ اور اس کی تیاری کر۔ دنیا کی چند روزہ زندگی اس طرح گزار جس طرح ایک مسافر اپنا سفر مکمل کرتا ہے اس سے محبت کرنا غلامی ہے اور آخرت کی زندگی سے محبت کرنا زندگانی ہے موت سے پہلے مر جانا عین آدمیت کی معراج ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

بولے شیخ فرید پیارے اللہ لگے
ایہہ تن ہوسی نمانی گور گھرے

ترجمہ: بابا فریدؒ جہاں عالم سے مخاطب ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ دنیا چند روزہ ہے اس دنیا میں کامیاب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں گرفتار ہے اے پیارے دوست اللہ تعالیٰ سے لو لگائے رکھ اور اس سے متعلق جوڑ یہ تیرا جسم تو قبر کے گھر میں عاجز و مسکین مٹی کا حصہ بن جائے گا۔ ۱۳؎

اسی مضمون کو دوسری جگہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

بے جانا مرجائیے، گھم نہ آئیے
جھوٹی دنیا لگ نہ آپ ونجائیے

ترجمہ: اے بندے! اگر تجھے یقین ہے کہ آخر مر جانا ہے اور مرنے کے بعد یہاں واپس نہیں آنا ہے تو تُو اس جھوٹی اور مکّار دنیا کے پیچھے لگ کر اپنے آپ کو برباد نہ کر۔ ۱۴؎

بابا کے کلام میں دنیا پرستوں کے لیے موت عبرت کا نشان ہے وہ لوگ جو دنیا کی آسائشوں اور رنگین مزاجیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کے لیے عبرت کا نشان ہے وہ فرماتے ہیں

زمی پچھے اسماں فریدا، کھیوٹ کن گئے
جالن گوراں نال الاھمے جیو سہے ۱۵؎

اس شعر میں بابا فریدؒ انسان کی توجہ موت کی جانب مبذول کرواتے ہیں اور انسان کو یاد دلاتے ہیں کہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ ضرور چکھنا ہے اس کے بعد انسان کا نام و نشان مٹ جائے گا اور کوئی اس کا نام لینے والا نہ ہوگا۔ اس شعر میں بابا فریدؒ فرماتے ہیں

" اے فرید ! زمین آسمان سے پوچھتی ہے کہ یہ بڑے بڑے لوگ جو زمین پر اکڑ اکڑ کر چلتے ہیں وہ کہاں چلے گئے۔ آسمان جواب دیتا ہے کہ وہ قبروں میں اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔ سزا بھگتنے کے ساتھ ساتھ ان کے دل کو طعنے بھی سننے پڑتے ہیں۔ جابر، ظالم، گنہگار اور سیاہ کار اپنے کیے کی سزا قبر میں بھگت رہے ہیں جہاں اُنہیں ایک طرف قبر کا عذاب ہو رہا ہے تو دوسری جانب وہ لوگ جنکی خاطر اس نے مال و دولت کے انبار لگا دیے وہ اس کے کمائے ہوئے مال پر عیش کرتے ہوئے اسے ہی بُرا بھلا کہہ رہے ہیں۔ ۱۶ـ

جبکہ اس کے برعکس وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا میں موت کی مکمل تیاری کی ہے ان کے لیے اس دنیا میں بھی راحت ہے اور دوسری دنیا بھی ان کے لیے خوشگوار ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے احکامات پر مکمل عمل کرتے ہیں ان کا قول و فعل اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہُ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہوتے ہیں۔

بابا فرید کی شاعری کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے بندے کا تعلق اللہ سے جوڑ دیا اور انسان کو اللہ کے احکامات پر عمل کرنے پر زور دیا۔ آپ فرماتے ہیں

جے جے جیویں دنی تے کھریئے کہیں نہ لاء
اکو کچھن رکھ کے ہور سبھو دیہہ لٹاء

ترجمہ: اے بندے جب تک دنیا میں تو زندہ ہے تجھے اللہ تعالیٰ کے سوا کہیں دل نہیں لگانا چاہیے۔ اس دنیا میں تجھے اپنے پاس صرف کفن رکھنا چاہیے اور باقی سب لٹا دینا چاہیے۔ ۱۷ـ

فقیری کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ دنیاوی وسائل پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ اس کی نگاہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عطا پر ہوتی ہے۔ بابا فرید بھی چاہتے ہیں کہ ان کا دستِ سوال انسانوں کے آگے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے آگے بلند ہو جیسا کہ ان کا یہ شعر

بار پرائے بَیسنا ، سائیں مجھے نہ دیہہ
جے توں ایویں رکھسی ، جیو سَرِیروں لیہہ

ترجمہ: بابا فرید اللہ کے حضور دست دعا دراز کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اے اللہ اپنے دربار کے علاوہ کسی دوسرے کا محتاج نہ کرنا اور نہ ہی میرے نصیب میں کسی دوسرے سے مانگنا یا دست سوال پھیلانا لکھنا اگر آپ مجھے اس طرح رکھنا چاہتے ہیں تو اس سے بہتر یہ ہے کہ موت نصیب کر دے کیونکہ ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔ ۱۸ـ

اللہ تعالیٰ کی تلاش میں فقیر اپنی زندگی بسر کرتا ہے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا ہر فعل

احکام خداوندی کے مطابق ہو جب فقیر فنا فی اللہ کی منزل حاصل کر لیتا ہے تو ہر شے مظہر خداوندی کا آئینہ بن جاتی ہے اور وہ اس منزل تک پہنچ جاتا ہے جب اسے ہر شے میں خدا کے جلوے نظر آتے ہیں۔ بابا فرید نے اپنی شاعری میں یہ فارمولا بیان کر دیا جو ہر مومن کے دل کی تمنّا ہے اور وہ راز بتا دیے کہ بندہ فنا فی اللہ کی منزل کو کس طرح پہنچ سکتا ہے۔ فرماتے ہیں

تھیو پوا ہی د بھ جے سائیں لوڑیں سبھ
اک چھبے بیالتا ڑیئے تاں سائیں دے درواڑ ہے

ترجمہ: اے فرید اگر خدا کو ہر شے میں دیکھنا چاہتے ہو تو راستے کی گھاس کی طرح ہو جاؤ۔ ایک اس گھاس کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے تو دوسرا اسے توڑتا ہے جب کہیں جا کر وہ خدا کی درگاہ یعنی مسجد میں صف کی شکل پا کر قبولیت پاتی ہے۔۱۹۔

روح الکلام کے مؤلف جاوید اقبال ستار اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں

''اے فرید اللہ کی تلاش میں تو جنگل جنگل گھوم رہا ہے۔ حیرت ہے کہ تو مصلّے کو دیکھ کر بھی یہ نہیں جان پایا، اللہ کو پانے کے لیے خود کو مصلّے کے عمل سے گزارنا پڑتا ہے مصلّے کی گھاس کو نہایت بے دردی کے ساتھ کاٹنے کے بعد ڈنڈے کے ساتھ خوب پٹائی کی جاتی ہے اور توڑ موڑ کے تنکے تنکے کو بنتر کے عمل سے گزارا جاتا ہے ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد مصلّا کو سمیٹ کے مسجد میں لایا جاتا ہے۔ عاجزی و انکساری کے ساتھ ہر کسی کے قدموں تلے بچھ بچھ جاتا ہے اور کسی سے شکوہ نہیں کرتا۔۲۰۔

صوفی نظریہ وحدت کا خوب خوب پرچار کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ کائنات کا حقیقی وجود نہیں ہے اس لیے اس سے دل لگانا بیکار ہے انسان اگر کائنات کی رنگینیوں میں کھو جائے تو اس کا حقیقی مقصد حاصل نہ ہو سکے گا اس لیے دنیا سے کنارہ کشی کرنا ہی بہتر ہے لیکن اس کا مقصد یہ نہیں کہ دنیا چھوڑ کر ریگستانوں اور صحراؤں میں ساری عمر ذکر و افکار میں بسر کر دی جائے بلکہ صوفی اس طریقہ رہبانیت کو اسلام کے خلاف تصوّر کرتے ہیں صوفیوں کے نزدیک ترک دنیا سے مراد یہ ہے اس دنیا میں عوام النّاس کے درمیان رہ کر اپنی نگاہیں آخرت مرکوز رکھی جائیں اور وہ تمام فرائض جو عائد کیے گئے ہیں وہ پابندی سے ادا کیے جائیں مکروہاتِ دنیا سے بچنے کے لیے انسانی آبادی سے دور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ انسانوں کے درمیان رہ کر بھی درجۂ کمال تک پہنچا جا سکتا ہے۔ جگر مرادآبادی کہتے ہیں۔

تیرے اسرار حقیقت کا وہی محرم ہوا
رہ کے عام میں بھی جو بیگانہ عالم ہوا ۲۱۔

بے شک بابافرید نفس کش اور تاریک الدنیا زاہدوں کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن انہوں نے کبھی بھی صرف ذاتی نجات حاصل کرنے کی خاطر دنیا کو چھوڑنے کا نہ سوچا بلکہ انہوں نے حقوق العباد کو سامنے رکھا انہوں نے خود کو مخلوق خدا ہی جانا اور سمجھا اور عام آدمی کی ضرورت سے بڑھ کر اپنے لیے کچھ نہیں مانگا۔ایک راستہ یہ ہے کہ انسان دنیوی مسرتوں میں کھو جائے اور دوسرا یہ کہ ان ناجائز مسرتوں سے بچنے کی خاطر مطلق دستبرداری اختیار کرلے دنیا میں رہ کر آلائشوں اور ناپاکیوں سے دامن بچائے رکھنا ہی طریقت ہے۔۲۲۔

اللہ تعالیٰ کی تلاش کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

جنگل جنگل کیا بھویں ون کنڈا موڑیں
وسّی رب ہیا لیے جنگل کیا ڈھونڈیں

ترجمہ:اے فرید خدا کی تلاش میں کیا گھوم رہے ہو اور کانٹوں پر پاؤں رکھ رہے ہو؟اللہ تعالیٰ تو تمھارے دل میں بستا ہے،اسے جنگل میں کیا ڈھونڈتے ہو؟۲۳۔

اس شعر میں بابافرید نے واضح طور پر تاریک الدنیا افراد کو اشارہ دیا ہے کہ خدا کی تلاش میں جنگل جنگل گھومنے کا کوئی فائدہ نہیں اگر اسے ڈھونڈنا ہے تو اپنے دل میں جھانک لازمی طور پر وہ وہیں ملے گا۔امجد اسلام امجد نے اسی مضمون کو اسطرح بیان کیا ہے۔

اے سرابوں میں گھومنے والے
دل کے اندر بھی ایک رستہ ہے

لیکن اس کے ساتھ ہی بابافرید یہ شرط بھی عائد کرتے ہیں کہ ہر وقت محبوب حقیقی کی یاد دل میں بسا کر رکھی جائے اگر ایسا نہیں کرے گا تو دین و دنیا دونوں برباد ہو جائیں گے آپ فرماتے ہیں۔

پڑی وسارن بیارون ک بدھ چویں
کچن راس وسار کر مٹھی ڈھوٹہ بھریں

ترجمہ: محبوب حقیقی کی یاد سے غافل ہو جانے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ میں اپنی عقل اور اپنے ہوش و حواس سے بھی بیگانہ ہو گیا ہوں۔اے فرید غفلت کی اس کیفیت سے نکل اور محبوبِ حقیقی کی یاد کو اپنا حرزِ جاں بنا۔تو محبوبِ حقیقی کو بھول جائے گا تو مٹھی بھر خاک کے سوا تیرے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔۲۴۔

باباصاحب کی شاعری میں دنیا کی بے ثباتی،کوتاہی،آخرت کی فکر اور اپنے نامۂ اعمال کی سیاہ کاری کا ذکر نمایاں نظر آتا ہے اپنے مرشد خواجہ بختیار کاکیؒ تربیت کا پہلو واضح نظر آتا ہے ان کے اشعار انسانی دل و دماغ پر دستک دیتے ہیں وہ دنیا کے عیش و عشرت کی زندگی گزارنے پر لعنت بھیجتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں

پیریں کندھے پندھڑا سیتی سجانا
بھٹھ ہنڈوے دا پیئنگھنا سیتی اجانا

ترجمہ: میرے پاؤں کنارے پر ہیں اور سامنے کا سفر مشکل ہے۔ لعنت ہو دنیا کے عیش پر جس نے مجھے اس سفر کی تیاری سے غافل رکھا اب اس دشوار سفر کو کیسے طے کروں۔ ۲۵۔

دنیا کی زندگی سے متعلق فرماتے ہیں

چار گوائیاں ہنڈھ کے چار گوائیاں سم
لیکھا رب منگیسیاں تو آیوں کیہڑے کم

ترجمہ: اے فرید! تو نے چار دن عیش و طرب میں کھو کے اور چار دن سو کے گزار دے اللہ تجھ سے حساب مانگے گا تو کیا جواب دے گا آخر تجھے کسی نہ کسی مقصد کے لیے پیدا کیا گیا کیا تو نے کوئی کارنامہ انجام دیا ہے جو تیرے ہونے کا جواز فراہم کرے۔ ۲۶۔

مالک حقیقی کی خدمت کا درس نہایت خوبصورت پیرا ہے میں بیان کرتے ہیں اور درخت کی مثال دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ خدمت کا صلہ انسانوں سے مانگنا فقیر کی لعنت میں شامل نہیں ہے وہ کہتے ہیں

صاحب دی کر چاکری دل دی لاہ بھراند
درویشاں نوں لوڑیئے رکھاں دی جراند

ترجمہ: اے فرید! مالکِ حقیقی کی خدمت گزاری، پوری یکسوئی کے ساتھ کرتا رہ اور شک و شبہ اپنے دل سے نکال دے اور کسی کی مخالفت بھی سہنی پڑے تو سہہ لے کیونکہ درویشوں کے حوصلے درختوں جیسے ہوتے ہیں کوئی پتھر بھی مارتا ہے اور کوئی ٹہنیاں بھی کاٹتا ہے مگر وہ پھل بھی دیتا اور فیض بھی جاری رکھتا ہے۔ ۲۷۔

تصوّف میں تسلیم و رضا کی اہمیت مسلّمہ ہے کوئی شخص اس وقت تک ولایت کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ راضی بہ رضا نہ رہے اس کا ہر فعل و قول تسلیم و رضا سے مزین ہونا چاہیے۔ نظریہ تسلیم سے مراد یہ ہے کہ انسانوں کا ایمان پختہ ہونا چاہیے کہ اسے جو بھی ملتا ہے وہ من جانب اللہ ہے حتیٰ کہ انسان کی اپنی زندگی بھی عطیہ خداوندی ہے اس لیے اگر اسے کچھ ملتا ہے تو اللہ کا احسان ہے اگر واپس لے لے تو ہمیں اللہ سے شکایت نہیں کرنی چاہیے ارنہ ہی اس کا افسوس و ملال ہونا چاہیے کیونکہ ہم اس کے حقیقی مالک نہیں ہیں۔ یہاں یہ پہلو قابل ذکر ہے کہ خداوند کی رضا کو تسلیم نہ بھی کیا جائے تو بھی ہونا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ بقول ذوق

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار یا اُسے رو کر گزار دے

تسلیم ورضا کا بنیادی فرق یہ ہے کہ تسلیم واقعات کے سامنے یہ جان کر سر تسلیم خم کر دیا جاتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی صورت موجود نہیں جبکہ اس کے بر خلاف رضا ذہن انسانی کی ایک متحرک کیفیت (Active Attitude) کا نام ہے جس میں دل سے راضی بارضا ہونا ہے اور خلاف توقع ہونے والے کسی واقعے کا ملال نہ ہونا ہے۔ جگر مراد آبادی کہتے ہیں

سنتا ہوں کہ ہر حال میں وہ دل کے قریب ہے
جس حال میں ہوں اب مجھے افسوس نہیں ہے ۲۸۔

بابا فرید کی شاعری میں بھی تسلیم ورضا جیسے مضامین بار بار ملتے ہیں جہاں وہ دنیا کی رنگینیوں میں کھو نہ جانے کا مشورہ دیتے ہیں تو وہیں وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہر سُو اللہ کے رنگ بکھرے ہوئے ہیں اگر انسان اس رنگ میں رنگ جائے تو اس کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائے گی وہ فرماتے ہیں

فریدا گیپ دیں کنت رنگا ولا وڈا بے محتاجا
اللہ سیتی ر جھڑ ا سچاوا
ساجا

ترجمہ: اے فرید! رب کی ذات بڑی شان والی ہے۔ اس کے رنگوں (نعمتوں) کا کوئی شمار نہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے وہ اپنے بندے کو جس رنگ میں بھی رنگ دے وہ سب سے اعلیٰ رنگ ہے۔ وہ اپنے بندے کو جس نعمت سے نوازے وہی نعمت سب سے بڑی نعمت ہے۔ ۲۹۔

دوسری جگہ فرمایا

آسرا دھنی منجھاہ کوء نہ لاہو کڈھ توں
دے ایوں کاج ہتھاہ دریا نے سچا دھنی

ترجمہ: اے فرید دنیا بھر کے رشتے اور سہارے جھوٹے ہیں اس لیے تو کسی مغالطے میں مت رہ اور سوائے رب کی ذات کے کسی پر بھروسہ مت کر کہ وہی مشکل وقت میں کام آتا ہے وہی منجدھار میں ڈوبتے کو سہارا دیتا ہے وہی طوفان میں پھنسی کشتی کو سہارا دیتا ہے تیرے لیے رب ہی کی ذات کافی ہے اور وہی تیرا سب سے بڑا کارساز ہے۔ ۳۰۔

تصوّف کی اہمیت اور اثر آفرینی سے بسا اوقات شاعری میں ایک غیر معمولی عظمت کا احساس پیدا ہوتا ہے شعر سن کر یوں تو تمام لوگ کچھ نہ کچھ اثر لیتے ہیں لیکن اہلِ تصوّف اپنے تیز اور بیدار احساسات کی

بناءپراس سے جس قدر متاثر ہوتے ہیں ان کی مثال کہیں اور نہیں ملتی شرابِ سخن ان کے شیشہ ہائے قلب میں آکر دو آتشہ ہو جاتی ہے وہ استماع شعر پر صرف نعرہ ہائے تحسین و آفرین بلند کر کے خاموش نہیں ہو جاتے بلک بلک کر روتے بھیمیں فریاد ورقص کرتے ہیں یہاں تک کہ کبھی کبھی یہ جوشِ کیفیت مرگِ محبت کا پیغام بن جاتا ہے۔ ۳۱؎

جس طرح بابافریدالدّین گنج شکرؒ کے مرشد حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ پراس شعر

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

سے ایک عالم وجد طاری ہوا جب نماز کا وقت آجاتا نماز پڑھ لیتے پھر اسی شعر کو سنتے چار شب روز یہی حالت رہی پانچویں شب کو انتقال ہو گیا۔ ۳۲؎

اسی طرح باباجی کے کلام میں جابجا ایسے اشعار ملتے ہیں جو قلب کو چُھو لیتے ہیں۔ عوام النّاس اور بالخصوص اہلِ تصوّف ان اشعار کو پڑھ کر عجیب کیف و مستی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ باباجی نے اپنی اسی کیفیت کا اظہار اسطرح کیا ہے۔

تن تپے تنور جیوں ، بالن ہڈ ،بلن
پیریں تھکاں سر جلاں جے موں پری ملن

ترجمہ: میرا جسم دہکتے تنور کی طرح تپ رہا ہے اور ہڈّیاں خشک ایندھن کی طرح جل رہی ہیں۔ لیکن اگر مجھے وصال یار کی امید ہو جائے تو ایسے میں تھکن کو نظر انداز کر کے سر کے بل چلتا ہوا اس کی طرف بھاگ جاؤں۔ ۳۳؎

اسی مضمون کو دوسری جگہ اسطرح بیان کرتے ہیں

تن سمندر ، منسا لہر اور تارو تریں انیک
تے برہی کیویں جیوتے جے آہ نہ کرتے ایک

ترجمہ: اے فرید جسم سمندر کی مثال ہے اور خواہشیں سمندر کی لہروں کی طرح۔ یہ لہریں بے شمار ہونے کے ساتھ ساتھ سرکش بھی ہیں جدائی کا درد سہنے والے (عاشق) اگر آہ وزاری کا سہارا نہ لیں تو جیتے جی مر جائیں۔ درویش کی ہر ممکن خواہش ہوتی ہے کہ اسے جلد از جلد دیدارِ الٰہی کا شرف حاصل ہو جائے جدائی کا دورانیہ انتہائی جان لیوا ہوتا ہے۔ ۳۴؎

اہلِ تصوّف کا یہ وصف رہا ہے کہ وہ عبادت میں ریاکاری اور دکھاوے سے اجتناب کرتے ہیں اور خلوصِ نیت سے عبادت میں مشغول رہتے ہیں ان کا مطمع نظر جنت کا حصول اور دوزخ سے نجات نہیں

ہوتا بلکہ وہ خلوصِ نیت سے اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے عبادت کرتے ہیں وہ ایسی جنت کی تمنّا نہیں کرتے جس کے دلرُبا مناظر کا خیال تصوّر محبوب میں خلل ڈال دے۔ محبوب کے تصوّر سے ہٹنا فقیر کے لیے قابلِ قبول نہیں بلکہ وہ ایسی جنت سے دوزخ کے عذاب کو بہتر تصوّر کرتا ہے۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کی عبادت عوام النّاس کی نظروں سے او جھل رہے تاکہ ریاکاری و دکھاوے کا عنصر شامل نہ ہو ان کی توجہ محبوب سے ہٹنے نہ پائے۔ آپ فرماتے ہیں:

دل اندر ،دریاؤ فریدا کندھی لگ کیہ پھریں
ٹبھی مار منجھاہیں ، منجھوں ہی مانک لہیں

ترجمہ: اے فرید تیرے دل میں حقیقتِ الٰہیہ کا دریا بہہ رہا ہے اور تو ہے کہ اس سے بے خبر باہر کنارے پر خدا کو ڈھونڈ رہا ہے۔ ہمّت اور جرأت سے کام لیتے ہوئے اپنے دل کے دریا میں غوطہ لگا تاکہ انمول موتی ہاتھ میں آئے۔ ۳۵

بابا فرید الدّین گنج شکرؒ اہلِ تصوّف کے علمبردار ہیں جنہوں نے سلوک کی منازل طے کرتے ہوئے اہلِ علم کو اس منزل سے آشنا کیا۔ فنا فی اللہ اور فنا فی الرّسول کی منازل کا ذکر اپنی شاعری میں جابجا کرتے ہیں اور عشقِ حقیقی کی اس منزل تک انسان کو پہنچا دیتے ہیں جو انسانیت کی معراج ہے۔ یہی باباصاحب کے کلام کی وہ خصوصیت ہے جو انہیں دیگر شعراء سے ممتاز کرتی ہے۔

تجزیہ واستدلال:

جنوبی ایشیاء میں اسلام پھیلانے میں علماء و صوفیائے کرام نے جو کردار ادا کیا وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ صوفیائے کرام کے مختلف سلاسل دینِ اسلام کی ترویج کے لیے دامے، درمے اور سخنے کوشاں رہے۔ ان اکابرین کی ایک اہم خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ وہ عام افراد میں گھل مل گئے اور انہوں نے ان ہی کے رنگ میں ڈھل کر تبلیغِ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا۔ بابا فریدؒ اس لیے بھی ممتاز مقام کے حامل رہے ہیں کہ انہوں نے عام فہم انداز میں شاعری کا سہارا لیتے ہوئے تصوّف کے رنگ بکھیرے اور اہلِ تصوّف کے لیے پنجابی شاعری میں وہ بنیاد فراہم کی جس پر اہلِ علم پنجابی شاعری کی عظیم الشّان عمارت تعمیر کر سکتے ہیں۔

شاعری میں اپنے پیغام کو پہنچانے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عام و خاص میں مقبول ہو جاتی ہے کیونکہ نثر کو یاد رکھنا ممکن نہیں جبکہ شاعری نہ صرف بآسانی یاد کر لی جاتی ہے بلکہ سائلین یاد کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے سلوک کی منازل بھی طے کرتے ہوئے روحانیت کے مدارج بآسانی عبور کر لیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی نہ صرف مسلمان ان کے کلام سے روح

کی تسکین کرتے ہیں بلکہ دیگر مذاہب کے لوگ بالخصوص سکھ مت کے ماننے والے باباصاحب کو ان کی شاعری ہی کی وجہ سے اپنا روحانی پیشوا تصوّر کرتے ہیں۔

باباصاحب کی اشلوک میں ہمیں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر ملتا ہے تو وہیں دنیا کی حقیقت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ جہاں زندگی گزارنے کے گر سکھاتے نظر آتے ہیں تو وہیں آخرت کی کامیابی کا فارمولا بھی واضح کردیتے ہیں۔ان کی شاعری سے انسان جہاں خوف و غلامی سے آزاد ہوجاتا ہے تو وہیں وہ اپنی ذات کے اندر جھانک کر اپنی ذات کا تجزیہ کرنے کا ہنر بھی سیکھ لیتا ہے وہ اپنی شاعری میں جہاں معاشرتی عدم توازن جیسا اہم موضوع ہمارے سامنے آشکارہ کرتے ہیں وہیں مساواتِ انسانی، تکریم انسانیت، توحید، عرفانِ نفس ،خدمتِ خلق جیسے اہم موضوعات کو اپنے اشعار میں اسطرح سمو دیتے ہیں کہ انسان دنیا کی عارضی زندگی چھوڑ کر اپنا تعلق ذاتِ حقیقی سے جوڑ لیتا ہے۔ان کی شاعری کا ایک کمال یہ ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری کی بنیاد میں محبت کی چاشنی شامل کی ہے۔عاشق کی طرح صوفی بھی ایک محبوب کا متلاشی رہتا ہے لیکن چونکہ صوفی کا محبوب جسم اور جسمانیت سے پاک اور حدودِ زباں و مکاں سے آزاد ہوتا ہے۔باباصاحب کی شاعری میں محبوبِ حقیقی کا رنگ جگہ جگہ بکھرا نظر آتا ہے اور وہ محبوبِ حقیقی کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ باباصاحب کی شاعری کو محفوظ بنانے اور اس پر تحقیق کرنے کے لیے محقّقین اپنا کردار ادا کریں تاکہ ان کی شاعری کے وہ راز اور تصوّف کے وہ مسائل جس کا ادراک اب تک نہ ہوسکا اس سے عوام النّاس مستفیض ہوسکیں۔اس سلسلے میں پنجابی ادبی بورڈ، حکومتِ پنجاب اور حکومتِ پاکستان کو اہم کردار ادا کرنا چاہیے۔یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم نے اتنی اہم شخصیت پر تحقیق کرنے کے بجائے ان کے مزار کو اپنی آمدنی کا ذریعہ بنالیا ہے جو اہلِ علم کے لیے باعثِ ندامت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ پروفیسر سید صفی حیدر تصوّف اور اُردو شاعری ساگرا کیڈمی لاہور ۱۹۴۸ص ۸۶

۲۔ علامہ عالم فقری تذکرہ اولیائے پاکستان شبیر برادرز لاہور ۱۹۷۸ص ۲۸۹

۳۔ ابواحمد غلام حسن قادری شرح دیوان فرید گنج شکر المعروف فیضان فرید مشتاق بک کارنر لاہور ص ۳۰

۴۔ علامہ عالم فقری تذکرہ اولیائے پاکستان شبیر برادرز لاہور ۱۹۸۷ص ۲۹۱

۵۔ ایضاً ص ۲۹۲

۶۔ ابواحمد غلام حسن قادری شرح دیوان فرید گنج شکر المعروف فیضان فرید مشتاق بک کارنر لاہور ص ۳۲

۷۔ علامہ اخلاق حسین دہلوی حضرت محبوبِ الٰہی ضیاءالقرآن پبلیکیشنز لاہور ۲۰۰۴ص ۸۷

۸۔ ایضاًص۳۵

۹۔ پروفیسر محمد یونس حسرت کلام بابافرید گنج شکر بُک ہوم لاہور۲۰۱۵ص ۲۰

۱۰۔ ایضاًص۲۱

۱۱۔ سیدافضل حیدر فرید، نانک، بُلّھا، وارث، دوست پبلیکیشنز اسلام آباد۲۰۰۳ص ۱۳۰

۱۲۔ پروفیسر سید صفی حیدر تصوّف اور اُردو شاعری ساگرا کیڈمی لاہور۱۹۴۸ص ۴۰

۱۳۔ ابواحمد غلام حسن قادری شرح دیوان فرید گنج شکر المعروف فیضان فرید مشتاق بک کارنر لاہور ص۲۵۷

۱۴۔ حاجی محمد انور چشتی نظامی ابیاتِ گلدستہ فرید ناشر پیر صوفی غلام محی الدّین چشتی نظامی پاکپتن ۲۰۱۷ص ۱۳۳

۱۵۔ ابواحمد غلام حسن قادری شرح دیوان فرید گنج شکر المعروف فیضان فرید مشتاق بک کارنر لاہور ص۹۵۸

۱۶۔ ایضاًص۹۶۱

۱۷۔ حاجی محمد انور چشتی نظامی ابیاتِ گلدستہ فرید ناشر پیر صوفی غلام محی الدّین چشتی نظامی پاکپتن ۲۰۱۷ص ۵۴

۱۸۔ ایضاًص۵۷

۱۹۔ ڈاکٹر امجد علی بھٹّی کلام بابافرید نیشنل بُک فاؤنڈیشن اسلام آباد۲۰۱۵ص ۳۷

۲۰۔ جاوید اقبال ستّار روح الکلام الفیصل پبلیکیشنز لاہور ۲۰۱۲ص ۹۷

۲۱۔ پروفیسر سید صفی حیدر تصوّف اور اُردو شاعری ساگرا کیڈمی لاہور۱۹۴۸ص ۵۷

۲۲۔ سیدافضل حیدر زندگی نامہ بابافرید گنج شکر دوست پبلیکیشنز اسلام آباد۲۰۰۳ص ۱۵۳

۲۳۔ حاجی محمد انور چشتی نظامی ابیاتِ گلدستہ فرید ناشر پیر صوفی غلام محی الدّین چشتی نظامی پاکپتن ۲۰۱۷ص ۲۴

۲۴۔ پروفیسر محمد یونس حسرت کلام بابافرید گنج شکر بُک ہوم لاہور۲۰۱۵ص ۱۰۰

۲۵۔ حاجی محمد انور چشتی نظامی ابیاتِ گلدستہ فرید ناشر پیر صوفی غلام محی الدّین چشتی نظامی پاکپتن ۲۰۱۷ص ۴۷

۲۶۔ جاوید اقبال ستّار روح الکلام الفیصل پبلیکیشنز لاہور ۲۰۱۲ص ۱۴۱

۲۷۔ حاجی محمد انور چشتی نظامی ابیاتِ گلدستہ فرید ناشر پیر صوفی غلام محی الدّین چشتی نظامی پاکپتن ۲۰۱۷ص ۱۰۶

۲۸۔ پروفیسر سید صفی حیدر تصوّف اور اُردو شاعری ساگرا کیڈمی لاہور۱۹۴۸ص ۱۵۲

۲۹۔ جاوید اقبال ستّار روح الکلام الفیصل پبلیکیشنز لاہور ۲۰۱۲ص ۲۹۱

۳۰۔ ایضاًص۴۲۷

۳۱۔ پروفیسر سید صفی حیدر تصوّف اور اُردو شاعری ساگرا کیڈمی لاہور۱۹۴۸ص ۲۹

۳۲۔ رسالہ حقیقتِ اسلام لاہور جون ۱۹۳۳ص ۴۳

۳۳۔ سیدافضل حیدر فرید، نانک، بُلّھا، وارث، دوست پبلیکیشنز اسلام آباد 2003ص ۸۹

۳۴۔ جاوید اقبال ستّار روح الکلام الفیصل پبلیکیشنز لاہور ۲۰۱۲ص ۴۰۳

۳۵۔ ایضاًص۵۱۷